علّامہ اقبال کے افکار و خیالات

_____ ڈاکٹر اسرار احمد _____

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ العالی نے یہ خطاب ۹ نومبر ۹۷ء کو کراچی میں یوم اقبال کی ایک تقریب میں فرمایا اور خطاب کا آغاز سورۃ الصف کی ان آیات سے کیا جن سے آپ بالعموم تحریک خلافت کے خطابات کا آغاز کرتے ہیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ۱۹۹۱ء میں شہر کراچی ہی کے خالق دینا ہال سے ہماری تحریک خلافت کا آغاز ہوا تھا' جہاں پر اس صدی کے آغاز میں ہندوستان میں اٹھنے والی تحریک خلافت کے زعماء پر غداری کا مقدمہ چلایا گیا تھا اور انہیں سزائیں سنائی گئی تھیں۔ برعظیم پاک و ہند میں اسلام کے انقلابی فکر کے احیاء میں علامہ اقبال کا حصہ سب سے زیادہ ہے لہٰذا ان آیات مبارکہ کا آج کے موضوع کے ساتھ گہرا ربط و تعلق ہے۔ (ادارہ)

پس منظر

سورۃ الصف آیت ۸ اور سورۃ التوبہ آیت ۳۲ میں اللہ تعالیٰ نے ایک پیش گوئی فرمائی ہے کہ یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے گا۔ گویا ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

سورۃ التوبہ کی آیت میں یہ مضمون منفی انداز میں بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اپنے نور کا اتمام فرمائے' اگرچہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ اس طرح پہلی بات تو یہ یاد رکھنے کی ہے کہ قرآن کی رو سے اللہ کے نور کا اتمام باقی ہے جو ہو کر رہے گا ع

نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

سورۃ الصف کی آیت ۹ اور سورۃ التوبہ کی آیت ۳۳ ایک ہی جیسے الفاظ پر مشتمل ہیں:

﴿ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾

”وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ (ہدایت کاملہ یعنی قرآن حکیم) اور دین برحق دے کر تاکہ غالب کردے اسے کُل کے کُل دین پر، چاہے یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔“

تو گویا اس آیت میں غلبہ دین حق ہو کر رہنے کا ذکر ہے۔

پھر سورۂ سبا آیت ۲۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ﴾

”اور (اے محمد ﷺ) نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام بنی نوع انسان کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر۔“

اب ان آیات کو جوڑیں تو منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کُل عالم انسانیت پر اللہ کے دین کا غلبہ ہو کر رہے گا، اور بعثت محمدیؐ کے مقصد کی تکمیل اُسی وقت ہو گی اور نورِ خداوندی کا اتمام بھی بتمام و کمال اسی وقت ہو گا۔ اس کے لئے قرآن حکیم میں کوئی ٹائم ٹیبل تو نہیں دیا گیا، البتہ اس کا وقوع پذیر ہونا اٹل اور قطعی ہے۔ قرآن پاک کے علاوہ احادیث شریفہ میں بھی اس کی وضاحت آئی ہے۔ ایک حدیث جو ہم تحریک خلافت کے آغاز سے ہی شائع کر رہے ہیں اُس میں حضور ﷺ نے دَورِ نبویؐ سے لے کر قیامِ قیامت تک پانچ دَور گنوائے ہیں۔ پہلا دَورِ نبوت، پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ، پھر ظالم ملوکیت، پھر مجبوری والی ملوکیت اور پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ۔ یعنی دَورِ نبوت کے بعد بھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور اور پھر قیامت سے متصلاً قبل بھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور۔ پس اب جب خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا غلبہ ہو گا تو وہ عالمگیر ہو گا۔

اسی طرح حضرت ثوبان ؓ سے مسلم شریف میں ایک روایت ہے جو صحت کے اعتبار سے انتہائی بلند مرتبہ رکھتی ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَأَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا' وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْھَا))

"بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لئے لپیٹ دیا۔ چنانچہ میں نے پوری زمین کے مشرق و مغرب دیکھ لئے اور یقیناً میری اُمت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو زمین کو سکیڑ کر مجھے دکھائے گئے"۔

اِسی طرح ایک اور حدیث میں اس طرح الفاظ آئے ہیں کہ روئے ارضی پر نہ کوئی خیمہ رہے گا اور نہ کوئی گھر رہے گا جس میں اللہ کا دین داخل نہ ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ اس میں اسلام کا کلمہ داخل کر کے رہے گا' دو میں سے ایک صورت میں' یا تو گھر والا' یا خیمے والا اسلام لے آئے گا تو اس کے گھر میں اسلام داخل ہو گا اس کے اپنے اعزاز کے ساتھ' یا اگر وہ اسلام نہیں لائے گا تو پھر اسے نیچے ہو کر رہنا پڑے گا اور اسلام کی بالادستی قبول کرنی پڑے گی۔ تو گویا اُس کے گھر میں اسلام تو داخل ہو جائے گا اگرچہ وہ محروم رہے گا۔ اس اعزاز سے اس بدنصیب کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

مندرجہ بالا قرآنی تصریحات اور احادیث نبویؐ کے مطابق میری یہ رائے ہے کہ وہ دَور اب زیادہ دُور نہیں بلکہ بہت قریب ہے۔ اگرچہ فوری طور پر اس سے پہلے اُمتِ مسلمہ کو کچھ سزائیں ملنی ہیں جن کی خبریں احادیث نبویہؐ میں دی گئی ہیں۔ لیکن یہ دَور بھی عارضی ہو گا اور پھر اس کے بعد غلبے کا دَور زیادہ دور نہیں۔ میں تو یہ رائے قرآن و حدیث کی روشنی میں پہلے سے قائم کر چکا تھا' اب حال ہی میں الازہر یونیورسٹی کے ایک معتبر شیخ اور محدث امین محمد جمال الدین کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے' جس کا نام ہے "عمر اُمۃ الاسلام" یعنی اُمت مسلمہ کی عمر کتنی ہے۔ اس کا ترجمہ بھی "میثاق" میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں مصنف نے ثابت کیا ہے کہ یہ پندرھویں صدی آخری صدی ہے' اس میں غلبہ اسلام کا دَور آنا ہے اور اس دَور سے پہلے کچھ سزاؤں کا دَور بھی آنا ہے۔ مصری شیخ کی رائے پر غور کریں تو مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ذہن میں آتی ہے جس کے راوی یکے از عشرہ مبشرہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ بڑی فضیلت والے صحابی ہیں' فاتح ایران ہیں' ایران کے گورنر بھی رہے۔ ایک بڑی ہی پیاری نسبت ان کو حضور ﷺ

کے ساتھ یہ ہے کہ جب غزوۂ احد کے موقع پر کفار گھیراؤ کر کے حضورؐ پر تیر برسا رہے تھے تو یہی حضرت سعدؓ حضور ﷺ کے دفاع میں کفار پر تیر پھینک رہے تھے۔ اُس وقت آپؐ نے یہ الفاظ کہے : "اے سعد تیر چلاتے رہو تم پر میرے ماں باپ قربان۔" میری دانست کی حد تک آپؐ نے یہ الفاظ کسی اور صحابی کے لئے نہیں کہے۔ یہی سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا "میں نہیں سمجھتا کہ میری اُمت اپنے رب کے نزدیک اتنی عاجز ہو جائے گی کہ وہ اسے نصف یوم کی مہلت بھی نہ دے"۔ اس پر لوگوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس یوم سے کیا مُراد ہے۔ انہوں نے جواب دیا "پانچ سو برس"۔ اگرچہ یہ جواب حضور ﷺ کا نہیں بلکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ہے لیکن غور کیجئے جس طرح ہمارے قمری، شمسی اور دیگر کئی کیلنڈر ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بھی ایک کیلنڈر ہے جس کا ایک دن ہمارے مطابق ایک ہزار برس کا ہوتا ہے، اور یہ بات قرآن پاک میں دیگر اہم باتوں کی طرح دو دفعہ آئی ہے۔ ایک تو سورۃ الحج میں ﴿وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۝﴾ "آپ کے رب کے نزدیک ایک دن آپ کے حساب سے ہزار برس کا ہے"۔ پھر مزید زوردار الفاظ سورۃ السجدہ میں آئے ہیں۔ یہ سورۃ السجدہ آپؐ کو بہت عزیز اور محبوب تھی۔ جمعہ کے روز فجر کی نماز میں آپؐ پہلی رکعت میں سورۃ السجدہ پڑھتے تھے۔ اس میں آتا ہے ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۝﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہوتی ہے آسمان سے زمین کی طرف۔ پھر وہ (معاملات) لوٹتے ہیں اللہ کی طرف اور یہ ہوتی ہے ایک دن میں جو کہ تمہارے حساب سے ہزار برس ہے۔ اس طرح نصف دن پانچ سو برس کا ہوا۔

تاریخی اعتبار سے اُمت مسلمہ کی عمر کے ایک ہزار برس پورے ہوئے تو ارض پاک و ہند میں ایک بہت بڑا فتنہ اُٹھا، یعنی دین اکبری کا فتنہ۔ حقیقت میں یہ فتنہ دو بڑے علماء ابوالفضل اور فیضی کا اُٹھایا ہوا تھا۔ یہ دونوں اکبر کے مصاحبان خاص تھے اور نورتنوں میں شامل تھے۔ خود اکبر تو اَن پڑھ اور جاہل مطلق تھا۔ درباری علماء نے اسے یہ بات سمجھائی کہ محمد ﷺ کا دین صرف ایک ہزار برس کے لئے تھا، وہ تو اب ختم ہوا، اب ایک نئے دین کی ضرورت ہے، اور یہ ہے دین اکبری یا دین الٰہی۔ دین الٰہی کی حقیقت کیا تھی؟ یہ کہ

تمام مذاہب میں خدا کا تصور تو موجود ہے۔ بدترین مشرکانہ مذاہب بھی ایک Supreme Being کو مانتے ہیں۔ ہزاروں بتوں' دیوی' دیوتاؤں (gods) کو پوجنے والے بھی ایک خدا (God) کو مانتے ہیں جسے وہ مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ اُسے Omnipotent' Almighty' Omnipresent مانتے ہیں۔ ان کے ہاں "الٰہ" تو بہت ہیں مگر اللہ ایک ہی ہے۔ گویا خدا تمام مذاہب کے ہاں قدرِ مشترک ہے۔ سارا جھگڑا تو نبوت کے تصور سے اٹھتا ہے۔ کسی کے ہاں موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و شریعت ہے' کسی کے ہاں عیسیٰؑ کی' کسی کے ہاں اور کسی کی۔ مسلمانوں کے ہاں نبوت و شریعت محمد ﷺ کی ہے۔ اگر درمیان میں سے نبوت کو نکال دیں تو اللہ یا مہادیو یا ہستی مطلق پر سب لوگ جمع ہو جائیں گے اور اختلاف ختم ہو جائے گا۔ یہ تھی اس فتنے کی بنیاد جو دوسرے ہزار سال کے آغاز میں برعظیم میں پیدا ہوا۔

ظاہر ہے کہ شریعت' اُمت اور اُمت کا تشخص تو صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے قائم ہے۔ اگر رسالت کو درمیان سے نکال دیا جائے تو اُمت مرحومہ کا تشخص خود بخود محو ہو جائے گا۔ اکبر اعظم اگرچہ اَن پڑھ تھا مگر ذہین تھا۔ اُس نے سمجھ لیا کہ ہندوستان میں مذاہب کی کھچڑی پکی ہوئی ہے۔ اگر اس کو حلیم میں تبدیل کر لیا جائے تو ہر شے کی اصلیت ختم ہو کر ایک نئی چیز وجود میں آجائے گی۔ اسلام گوشت ہو گا' باقی مذاہب دالیں۔ جو مذاہب کے آپس کے اختلافات ہیں اُن کو گھوٹ کر ختم کر دیا جائے تو نہ کہیں گوشت نظر آئے گا نہ دوسری دالیں' وہ سب یک جان ہو جائیں گی۔ اختلاف ختم' فساد ختم اور ہندوستان ایک بہت بڑی متحدہ قوت بن جائے گا۔ یہ اُس کے ذہن کا ایک بہت بلند سیاسی فکر تھا۔ اسے دین اکبری اسی لئے کہا گیا کہ اکبر نے اس کا فلسفہ پیش کیا' اگرچہ یہ ساری پٹی ابوالفضل اور فیضی کی پڑھائی ہوئی تھی۔

دوسری طرف سے یہی فتنہ تصوف کے راستے سے آرہا تھا۔ تصوف میں ہمہ اوست کا تصور آیا کہ وہ تو ایک ہی ہے' صرف ایک۔ باقی سب اسی ایک کا ظہور ہے' بس وہی موجود ہے اور کچھ نہیں۔ اس طرح اُمت کا جداگانہ تشخص ختم ہو رہا تھا۔ کہتے تھے رام اور رحمٰن میں کوئی فرق نہیں۔ "مسجد مندر یکو نور"۔ یہ دو فتنے بیک وقت اٹھے' ایک

تصوف کا فتنہ دوسرا سیاسی فتنہ۔ دونوں کا ہدف دینِ محمدیؐ کو ختم کرنا تھا۔

یہاں اسلام کا مدوجزر ملاحظہ ہو۔ یہ وقت برعظیم میں دینِ اسلام پر انتہائی زوال کا وقت ہے مگر سیاسی اعتبار سے یہاں مسلمان عروج پر تھے۔ اکبر اعظم کی سلطنت وسعت کے اعتبار سے اپنی انتہا پر تھی' جبکہ اسلام کے زوال کی انتہا بھی عہد اکبری میں ہوئی۔ یہ بات مسلم ہے کہ ہر جزر کے بعد مد ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی وہ وقت بھی ہے جہاں سے اسلام کے ارتقاء' احیاء (revival) اور اس کی نشاۃ ثانیہ (renaissance) کا آغاز ہوا۔ اس ارتقائی عمل میں علامہ اقبال کا بہت اہم مقام ہے۔

ختم نبوت کی حکمت

حضور ﷺ پر نبوت ختم ہو گئی' اب قیامت تک کسی شخص کو نبوت نہ ملے گی۔ لیکن یہاں غور کرنے کا مقام ہے کہ نبوت تو بہت بڑی رحمت اور نعمت ہے۔ اگر یہ ختم ہو گئی تو اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے بھی کچھ چیزیں ہونی چاہئیں۔ چنانچہ جان لیجئے کہ اس خلاء کو رب العزت نے تین چیزوں سے پُر کیا ہے :

(۱) قرآن کریم۔ یہ ہدایت کاملہ کے طور پر ہمیشہ موجود رہے گا۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ یہ کبھی ضائع ہو گا' نہ اس میں تحریف ہو گی۔ ہر طالب ہدایت اور ہر طالب حقیقت کے لئے ہر وقت اور ہر زمانے میں قرآن موجود رہے گا' کہ وہ اسے پڑھے اور ہدایت حاصل کرے۔

(۲) ہر صدی میں اللہ تعالیٰ ایسے مجدد اٹھاتا رہے گا جو دین کو تازہ کرتے رہیں گے۔ سنن ابی داؤد کی روایت ہے :

((اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ فِي هٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ عَامٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا))

"اللہ تعالیٰ اِس اُمت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے لوگوں کو کھڑا کرتا رہے گا جو اس اُمت کی خاطر دین کو تازہ کریں۔"

(۳) حق پرست لوگوں کا ایک گروہ ہر وقت اُمت میں موجود رہے گا۔ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا :

((لَا تَزَالُ فِی أُمَّتِی طَائِفَةٌ قَائِمِیْنَ عَلَی الْحَقِّ))

"میری اُمت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔"

پس قرآن کی محفوظیت' سو برس کے فاصلے پر صاحب عزیمت اور صاحب ہمت شخصیات جو دین کی صحیح صحیح تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کریں' اور ایک حق پرست گروہ کا ہمہ وقت موجود رہنا' یہ تینوں چیزیں مل کر اُس خلا کو پُر کریں گی جو سلسلۂ نبوت کے ختم ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ خدا کی شان ہے کہ پہلے ایک ہزار سال میں یہ مجددین اُمت عالم عرب ہی میں پیدا ہوئے' جہاں حضور ﷺ مبعوث ہوئے تھے۔ پہلی صدی کے مجدد عمر بن عبدالعزیزؒ' دوسری صدی کے امام ابو حنیفہ' پھر امام شافعی' امام احمد بن حنبل' شیخ عبدالقادر جیلانی' امام غزالی' امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ یہ سب لوگ عرب میں پیدا ہوئے ہیں۔

پہلا ہزار سال ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز مقدر ہے۔ یہاں ایک دور ختم ہوا۔ دین محمدیؐ تو نہ ختم ہوا نہ ہو گا۔ آپؐ آخری نبی ہیں۔ دین تو قیامت تک رہے گا۔ البتہ مشیت الٰہی سے جس مقام کو دین اسلام کے اعتبار سے مرکزیت حاصل تھی وہ مقام تبدیل ہو گیا۔ اب اسلام کا مرکز ثقل (centre of gravity) عالم عرب اور مشرق وسطیٰ سے بدل کر جنوبی ایشیا میں برعظیم پاک و ہند میں منتقل ہو گیا۔ یہاں پھر اللہ کی مشیت دیکھئے۔ تمام تر احیائی عمل بھی یہیں شروع ہوا اور اب زوال کی بھی یہیں انتہا ہو رہی ہے۔ دیکھئے نیوٹن کا تیسرا قانون حرکت (For every action there is equal and opposite reaction) تو گیارھویں صدی کے مجدد ہیں شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ جنہوں نے ہمہ اوستی تصوف کا رُخ تبدیل کر کے اسے وحدت الوجود کی بجائے وحدت الشہود کی شکل دی اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کی اہمیت کو واضح کیا۔ سیاسی اعتبار سے بھی حالات کو صحیح رخ پر موڑنے کی کوشش کی۔ وہ جاگیرداری کا دَور تھا' کوئی پنج ہزاری منصب دار تھا' کوئی دس ہزاری اور کوئی بیس ہزاری۔ آپ نے ان سے رابطے کئے۔ وہ دور عوامی جدوجہد کا دور تو تھا نہیں کہ احتجاجی جلسے اور جلوس منعقد کئے جائیں۔ وہ تو دورِ ملوکیت تھا۔ آپ نے حالات کا بغور مطالعہ کیا اور حسن تدبیر سے تخت

اقتدار کے پایوں تک رسائی حاصل کرلی اور دین اکبری کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ دین اکبری جس کو پوری شہنشاہی قوت اور بڑے بڑے درباری علماء کے ذریعے رائج کرنے کی کوشش کی گئی تھی' اِس مردِ درویش نے اُس دین اکبری کا وہ جنازہ نکالا کہ آج اُس کا کوئی نام لیوا بھی موجود نہیں ہے۔ آپ نے مسلمانوں کا علیحدہ تشخص واضح کیا اور توحید باری تعالیٰ کے ساتھ رسالت پر ایمان لانے اور اسوۂ رسولؐ کو نشان منزل بنا کر جدوجہد کرنے کی اہمیت کو مسلمانوں کے اندر بحال کیا۔ یہ ہے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ۔

اس کے بعد آتے ہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ' انہوں نے قرآن پاک کی اصل تعلیمات کو عام کرنے کے لئے کلام پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ قرآن مجید ایک بند کتاب کی صورت طاقوں میں سجا کر رکھا جاتا تھا۔ اس کو سمجھنے اور اس پر غور و فکر کی طرف کوئی دھیان نہ تھا۔ عام زبان فارسی تھی' عربی سے لوگ واقف نہ تھے۔ عربی یہاں پہلے پہل اُس وقت آئی تھی جب سندھ کے راستے محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ برعظیم میں داخل ہوئے۔ مگر وہ دور جلد ہی ختم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اسلام ماوراءالنہر سے آیا اور فارسی زبان ساتھ لایا۔ فارسی زبان پھر یہاں کی سرکاری زبان ہو گئی' جس طرح ہندوستان میں برطانوی تسلط کے دوران انگریزی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ ملا۔ عربی سے نابلد ہونے کے باعث لوگ علوم قرآن سے ناآشنا تھے۔ عام روش یہی تھی کہ قرآن پڑھو' ثواب حاصل کرو' یا پھر ایصال ثواب کرو۔ اسے احترام کے ساتھ گرد پوش میں لپیٹ کر اونچی جگہ پر رکھو' اس کی طرف پشت نہ کرو اور بس۔ اس کے سوا اس سے کوئی سروکار نہیں۔ حتیٰ کہ دینی مدارس میں بھی سارا زور تدریس و ترویج فقہ پر تھا۔ اس لئے کہ اگر کسی کو سرکاری عہدے دار قاضی یا مفتی بننا ہے تو اسے فقہ آنی چاہئے۔ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ قرآن پاک میں صرف آدھے پارے کی مقدار فقہی مسائل و احکام سے متعلق ہے' یعنی کل کتاب کا ۶۰/۱ حصہ۔ باقی پورے قرآن کا فقہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ تو اس طرح فقہ پر زور ہوا تو قرآن سے دلچسپی ختم ہوئی۔ البتہ مدارس میں عربی پڑھائی جاتی تھی' مولویوں اور عالموں کو عربی آتی تھی' لیکن ان کی دلچسپی بھی قرآن سے

نہیں ہوتی تھی۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کو تاریخ کے ساتھ گہری مناسبت تھی' اُن کا تاریخ کا مطالعہ عمیق تھا۔ انہوں نے بتایا کہ شاہ جہاں کے زمانے میں انگریزوں کی ہندوستان میں آمدورفت شروع ہوئی۔ شاہ جہاں بیمار ہو گیا تھا' اس کو بواسیر کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا' اور نامور جراح اور اطبّاء کے علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا تھا۔ مرض سخت تکلیف دہ تھی۔ شہنشاہ تخت پر نہ بیٹھ سکتا تھا کہ انداز شاہی اختیار کرے۔ ایک انگریز ڈاکٹر نے شہنشاہ کا علاج کیا اور خدا کا کرنا کہ شاہجہاں ٹھیک ہو گیا۔ اندازہ کیجئے کہ انداز شاہی سے ڈاکٹر کو اس طرح نوازا گیا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ اُس نے انگریزوں کے لئے حقوق تجارت مانگے کہ یہاں پکی کوٹھیاں اور کاروباری مراکز قائم کرنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ اجازت مل گئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان پر قابض ہو گئی۔ انگریز تاجروں کے ساتھ عیسائی مبلغین' مبشرین اور پادری بھی آ گئے اور اسلام اور عیسائیت کے متعلق کچھ اختلافات کی باتیں ہونے لگیں۔ بالآخر شاہجہاں کے دربار میں مناظرہ ہوا۔ اندازہ کیجئے کہ کس پایہ کے علماء وہاں جمع ہوئے ہوں گے۔ کسی عام مولوی کی تو دربار میں رسائی ہی ممکن نہیں۔ مناظرہ شروع ہوا تو ان بڑے بڑے درباری علماء کے سامنے ایک انگریز پادری نے ایک آیت پڑھی کہ یہ قرآن میں ہے۔ سب علماء نے کہا نہیں نہیں یہ تو قرآن میں ہے ہی نہیں۔ اس نے کہا قرآن منگواؤ۔ قرآن لایا گیا' کھول کر دیکھا تو یہ آیت موجود تھی۔ اُس دَور میں قرآن سے دُوری کا یہ حال تھا۔ یہ عوام اور جہلاء کی بات نہیں' یہ علماء کی بات ہے' بڑے بڑے علماء بلکہ درباری علماء۔ پس شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا اصل کارنامہ قرآن کو کھولنا ہے۔ آپ نے قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ ایک نئی بات تھی۔ علماء نے ان کے خلاف فتویٰ دیا اور انہیں اس جرأت پر واجب القتل قرار دیا۔ فتح پور سیکری میں عصر کی نماز کے بعد اُن کا درس ہوتا تھا۔ چند افغان بلائے گئے جنہیں اُس وقت ولائتی کہتے تھے۔ یہ شاہ صاحب کو قتل کرنے پر مامور ہوئے۔ درس کے بعد جب شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ مسجد کے دروازے سے باہر نکلے تو وہ لوگ آپ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں شاہ صاحب کی ہیبت طاری کر دی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے

آپ کو بچالیا۔ بعد ازاں آپ کے دو بیٹوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہما نے قرآن کے اردو ترجمے کئے جو مستند ترین ہیں۔ پھر شاہ عبد القادر کے انتہائی مختصر مگر جامع حواشی "موضح القرآن" کے نام سے موجود ہیں۔ جو بات انہوں نے لکھی ہے بے حد ثقہ اور معتبر ہے۔ تیسرے بیٹے شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے تفسیر لکھی اور اس طرح علوم قرآن کی ترویج و اشاعت کا آغاز کیا۔

ہندوستان میں تجدیدی کام کے سلسلہ میں پہلا قدم مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کا ہے جنہوں نے اُمت مسلمہ کا جداگانہ تشخص مشہود کیا۔ سنّتِ رسول ﷺ اور اطاعت رسول ﷺ پر زور دے کر تصوف کے راستے سے آنے والے باطل نظریات کا رد کیا اور دین اکبری کا جنازہ نکال دیا۔ پھر شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بند قرآن کو کھولا' رجوع الی القرآن کی دعوت دی' قرآن پاک کا ترجمہ کر کے اسے لوگوں کے لئے قابل فہم بنایا۔ آپ نے ایک چھوٹا سا رسالہ "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" لکھا تاکہ عام آدمی بھی سمجھ لے کہ قرآن کی تفسیر کے کیا اصول ہیں۔ آپ نے اس نظریئے کا ابطال کیا کہ قرآن سمجھنا انتہائی مشکل اور نازک کام ہے اور جب تک سو طرح کے علوم حاصل نہ کئے جائیں قرآن کو کھولا نہیں جا سکتا۔ الفوز الکبیر چھوٹا سا رسالہ ہے' اسے سمجھ کر پڑھ لو' پھر خود ہی قرآن پاک پر غور و فکر کرو' سوچ و بچار کرو' اس کو سمجھو' یہ تمہارے لئے کھلی کتاب ہے۔ یہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

اب آیئے تیرھویں صدی ہجری میں۔ یہاں سید احمد بریلوی رحمہ اللہ اُسی خانوادۂ ولی اللّٰہی کے تربیت یافتہ' شاہ عبد العزیزؒ کے مریدین میں سے ہیں اور شاگرد بھی۔ حصول علم میں بہت آگے نہیں گئے' اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی اور کام کے لئے پیدا کیا تھا ع ہر کسے را بہرِ کارے ساختند۔ ان کی طبیعت جلالی تھی۔ وہ جہاد کی طرف مائل تھے۔ ہندوستان دارالاسلام تھا' مسلمانوں کا ملک تھا' مگر اب ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ ایک طرف سکھوں نے حکومتیں بنا رکھی تھیں' ایک طرف مرہٹوں کی حکومتیں تھیں اور اُدھر سے انگریز مسلمان حکومتیں چھینتا چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ بنگال مسلمانوں کے ہاتھ سے جا چکا تھا' بہار بھی جا چکا تھا' سید صاحب ان طوفانوں کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ وہ جہاد کا راستہ اپنا کر برعظیم پر مسلمانوں

کی حکومت دیکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی سکیم کا آغاز کرنے کے لئے شمال مغربی سرحدی صوبہ منتخب کیا کیونکہ وہ عالم اسلام سے متصل ہے۔ اگر کسی اور طرف سے انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرتے تو کسی طرف سے کمک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ چنانچہ وہ بریلی سے چلے جو لکھنؤ سے بھی ۷۴ میل آگے مشرق کی طرف ہے۔ پھر پورا وسطی ہند عبور کرکے راجپوتانہ کراس کیا' اور سندھ سے گزر کر افغانستان پہنچے۔ پھر وہاں اوپر سے سرحد کے علاقے میں آئے۔ اس لئے کہ پنجاب کے راستے سے آنا ممکن نہ تھا' یہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت تھی۔ آج کے پیر پگاڑا علی مردان شاہ کی اوپر کی پانچویں پشت کے اُس وقت کے پیر صاحب پگاڑا سے طے ہوا کہ جب سید صاحب جہاد کرتے ہوئے شمال مغربی سرحدی صوبے سے گزر کر پنجاب کی طرف آئیں گے تو پیر صاحب حُروں کی فوج لے کر بلوچستان سے گزرتے ہوئے ڈیرہ غازی خان میں داخل ہوں گے اور اُن کے ساتھ مل جائیں گے۔ پھر سکھوں کی حکومت کا خاتمہ کرکے انگریزوں کو ملک سے نکالیں گے اور دار الاسلام کو reclaim کریں گے۔ مگر یہ جدوجہد ناکام ہو گئی۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ انگریزوں کے پاس جدید ہتھیار اور نئی ٹریننگ تھی۔ رنجیت سنگھ کی فوجوں کی تربیت فرانسیسی جرنیل نے کی تھی۔ مزید یہ کہ سرحد کے علماء نے مثبت کے بجائے منفی کردار ادا کیا۔

سنہری زنجیر (سلسلة الذهب) کے اس سلسلہ کی آخری کڑی شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا بھی وہی پروگرام تھا یعنی برعظیم سے انگریزوں کو نکالنے کا۔ چنانچہ ریشمی رومال کی تحریک کا آغاز ہوا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو کابل بھیجا کہ اِدھر سے مدد آئے' خود حجاز گئے۔ سندھ اس تحریک کا بڑا مرکز تھا مگر افسوس اس صدی میں یہ تحریک بھی ناکام ہو گئی۔ مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں کہ یہ ۱۹۱۵ء کی بات ہے 'میں نے حضرت شیخ الہند کو مشورہ دیا تھا کہ حضرت زمانہ بدل گیا ہے' اب کوئی مدد آپ کو افغانستان سے ملے گی نہ ترکوں سے۔ اب تو ہندوستان ہی میں بیٹھ کر آپ کو عوامی تحریک چلانی پڑے گی' مگر شیخ الہند نے میرے مشورے پر توجہ نہ دی' بلکہ اپنے بعض ایسے ساتھیوں کا مشورہ مان لیا جنہوں نے دوسرا راستہ بتایا تھا۔ بہرحال شیخ الہند حجاز میں گرفتار کر لئے گئے۔ شریف

حسین والی مکہ نے آپ کو گرفتار کر کے انگریز کے حوالے کر دیا جنہوں نے آپ کو مالٹا پہنچا دیا۔ یہی حشر عبیداللہ سندھی کا ہونے والا تھا مگر وہ جوان آدمی تھے‘ سکھ سے مسلمان ہوئے تھے‘ لہٰذا جذبہ بھی بہت مضبوط تھا۔ انہوں نے بھاگ کر روس میں پناہ لی اور بچ گئے۔ گویا یہ سکیم بھی ناکام ہو گئی۔ اب صورت حال یہ ہو گئی کہ پورے ہندوستان کا دار الاسلام بننے کا معاملہ تو دُور کی بات ہے‘ اب تو اس کے کسی ایک حصے کے اندر بھی ایسا امکان پیدا ہو جائے تو غنیمت ہے۔

۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو علامہ اقبال پیدا ہوئے۔ اُن کی پیدائش کو ۱۲۱ سال ہو گئے ہیں۔ علامہ اقبال نابغۂ روزگار تھے۔ طبع موزوں پائی تھی۔ شعر کہنے شروع کیے۔ ابتداء میں عشق و فراق اور وطن کی باتیں کرتے رہے۔ پھر اُن کی فکر میں عظیم تغیر پیدا ہوا۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک وہ انگلستان اور جرمنی میں رہے۔ یہ تین سال اُن کی زندگی میں انتہائی اہم ہیں۔ اس دوران انہوں نے مغرب کے حالات کا مشاہدہ کیا اور Current Philosophy کا مطالعہ کیا۔ یہاں جو اسلام کا حال ہو چکا تھا انہیں معلوم تھا‘ جسے حالی نے یوں بیان کیا تھا :

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

ابھی حال ہی میں معلوم ہوا ہے کہ اقبال کو وہاں کچھ روحانی تجربہ بھی ہوا۔ غیبی اشارات کے ذریعے انہیں وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص راہنمائی بھی ہوئی اور اقبال کی قلب ماہیت ہو گئی۔ چنانچہ اب وہ گل و بلبل کا شاعر نہیں رہا۔ جب گیا تھا تو گل و بلبل کا شاعر تھا‘ واپس آیا تو ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کا سب سے بڑا ترجمان اور سب سے بڑا نقیب بن چکا تھا۔ یہاں بھی قانون قدرت کار فرما ہے۔ جب حالات انتہا پر پہنچتے ہیں تو ردعمل پیدا ہوتا ہے۔ آج بھی کچھ لوگ ہیں جو یہاں دوڑ دھوپ کرتے کرتے مزید کی تلاش میں مغرب کا رخ کرتے ہیں تو وہاں پہنچ کر مغربی تہذیب کی چمک اُن کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے اور وہ

گویا گو ہر مقصود حاصل کر کے وہاں کی بھاگ دوڑ میں شامل ہو کر اپنی مشرقیت ہی ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ وہاں گئے تو وہیں کے ہو کر رہ گئے' گندی نالی کا کیڑا بن گئے اور بزعم خویش وہاں adjust ہو گئے۔ مگر کچھ دوسرے لوگ ہیں کہ دیارِ مغرب میں پہنچ کر عجیب کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہاں کی روشنیوں سے بھی ضرور متاثر ہوتے ہیں مگر ان کے خمیر میں مسلمان ماں باپ کی تربیت یا کسی ابتدائی تعلیم کے استاد کی تعلیم کے اثرات ہوتے ہیں۔ وہاں جا کر وہ adjust نہیں کر پاتے بلکہ اُلٹا اُن کے ضمیر کی خفتہ چنگاری جو خاکستر کے نیچے دبی ہوئی تھی' بھڑک اُٹھتی ہے اور وہ "مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے" کے مصداق بن جاتے ہیں۔ یہی معاملہ اقبال کا تھا۔ چنانچہ اب اقبال اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا نقیب بن کر پکارتا ہے ؎

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

اور

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
سبق پھر پڑھ صداقت کا' شجاعت کا' عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا!

اگرچہ اقبال اس وقت یہ کہہ رہا ہے لیکن خود مسلمانوں کی حالت بھی اُس سے اوجھل نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان پر امید و بیم کی کیفیات آتی رہتی ہیں۔ کبھی حالات کا تاریک رُخ زیادہ نظر آنے لگتا ہے اور انسان پر مایوسی کے اندھیارے چھا جاتے ہیں' کبھی حالات کا روشن پہلو سامنے آتا ہے تو ذہن میں ایک خوشگوار کرن پھوٹ پڑتی

ہے۔ فَلَعَلَّ شَعْشَعَةً تَلْمَعُ لَكَ شاید کہ تمہارے دل میں کوئی شعاع چمک اٹھے۔ چنانچہ اقبال کی ایک کیفیت تو اوپر بیان ہوئی۔ دوسری کیفیت میں اقبال ملت اسلامیہ کا حال اس طرح بیان کرتا ہے ؎

پیشِ ما یک عالمِ فرسودہ است
ملت اندر خاکِ اُو آسودہ است

ہمارے سامنے ایک دقیانوسی ' فرسودہ ' پرانا اور بوسیدہ نظام ہے اور ملت اسلامیہ کا یہ حال ہے کہ وہ اس فرسودہ عالم میں خاک کے اندر مست پڑی ہوئی ہے۔ اسے احساس بھی نہیں کہ وہ مٹی میں مل چکی ہے ؎

رفت سوزِ سینہ و تاتار و کُرد
یا مسلماں مُرد یا قرآں بمُرد

تاتاریوں اور کردوں کے سینہ کی حرارت ختم ہو گئی۔ اُن کی اسلامی غیرت و حمیت قصۂ پارینہ ہو گئی۔ گویا قرآن مرگیا یا مسلمان مرگیا۔ کیونکہ قرآن تو سینے میں آگ لگا دیتا ہے ' جوش و جذبہ پیدا کرتا ہے۔ کیا ہوا کہ اب وہ آگ لگی ہوئی نظر نہیں آتی!

غور کیجئے یہاں تاتار و کرد کیوں کہا؟ اس لئے کہ امت مسلمہ کی قیادت کی ایک shifting ہو چکی تھی۔ اُمت مسلمہ کا پہلا عروج عربوں کی زیر قیادت ہوا۔ حضور ﷺ خود عرب' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرب' قرآن عربی میں' بنو اُمیہ اور بنو عباس بھی عرب تھے۔ پھر تاتاریوں کے ہاتھوں زوال آیا۔ کروڑوں قتل ہوئے' بنو عباس کا دور ختم ہوا۔ مگر اس کے بعد دوبارہ مسلمان ابھرے ـــــ اسلام نہیں ـــــ اسلام کا زوال خلافت راشدہ کے بعد شروع ہوا تو پھر ہزار برس تک مسلسل زوال رہا ہے۔ ہاں مسلمان ایک مرتبہ پھر اُبھرے۔ لیکن اب قیادت عربوں کی نہیں' ترکوں کی ہے۔ یہ اُمت کے اندر قیادت کی تبدیلی ہے۔ یعنی وہی تاتاری جن کے ہاتھوں اُمت مسلمہ کو زوال آیا تھا اور وہ کروڑوں مسلمانوں کے قاتل تھے' اِنہی کی آئندہ نسل اسلام لے آئی۔ ترکانِ تیموری' ترکانِ سلجوقی' ترکانِ صفوی اور ترکانِ عثمانی سب کرد تھے۔ گویا عربوں کے زوال کے بعد یا تو کردوں نے اسلام کو قوت بخشی یا پھر تاتاری مسلمان ہو گئے اور امت کے قائد بن گئے ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

مگر اب اقبال پوری صورت حال دیکھ رہے تھے۔ عربوں کے سینے تو پہلے ہی خالی ہو گئے تھے۔ اب موجودہ لوگوں کی حالت بھی یہ ہے کہ ع اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک! یعنی اقبال کہتے ہیں کہ میں نے مدرسہ بھی دیکھ لیا خانقاہ بھی دیکھ لی' کہیں کچھ نہیں رہا۔ مدرسوں میں علم نہیں رہا' خانقاہوں میں روحانیت نہیں رہی۔ اس حقیقت کو مزید تلخ انداز میں اقبال بیان کرتے ہیں ؎

تیرے محیط میں کوئی گوہرِ زندگی نہیں
دیکھ چکا میں موج موج' ڈھونڈ چکا صدف صدف

یعنی میں نے ساری سیپیاں کھول کر دیکھ لیں' کہیں کوئی موتی نہیں۔ ہر موج کو تلاش کیا' لیکن تیرے محیط (Ocean) میں گوہر زندگی معدوم ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اپنی تاریخ پر بھی نظر رکھئے۔ امت مسلمہ کے دوسرے ہزار سال میں مجددین اُمت کا سلسلہ برعظیم پاک و ہند میں چل رہا ہے۔ شیخ احمد سرہندی' شاہ ولی اللہ' سید احمد بریلوی اور چوتھی کڑی شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اب یہاں سے ایک نیا تجدیدی کام جزوی مجددین سے شروع ہوا ہے' جزوی اور تدریجی۔ یعنی اب ایسی جامع صفات شخصیات تو نہیں مل سکتیں جن میں علم قدیم بھی ہو علم جدید بھی' ذکر بھی ہو فکر بھی' جہاد بھی ہو تقویٰ بھی۔ یہ کل چھ اَبعاد (dimensions) ہیں۔ اگر یہ تمام صفات کسی ایک شخص میں تلاش کی جائیں تو مایوسی ہو گی' بددلی پیدا ہو گی اور کام رُک جائے گا۔ لہٰذا ہمیں اس بات پر قناعت کرنا ہو گی کہ کسی ایک شخص میں کوئی ایک چیز نظر آ جائے تو اسے دوڑ کر لے لیں۔ "خُذ ما صَفا و دع ما کدر" کے مصداق جو اچھی چیز ہے اسے لے لو' جو اس کے منافی ہے اسے چھوڑ دو۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے کہ جس طرح میرے بعد خلافت راشدہ ہے' بالکل اس طرح کی خلافت ایک دفعہ پھر آنی ہے۔ گویا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تو تتمہ ہے دورِ نبوت کا۔ ۲۳ برس کی جدوجہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور

صحابہ رضی اللہ عنہم نے انقلاب برپا کیا۔ کیا دوبارہ ایسا ہو سکتا ہے؟ بظاہر ناممکن ہے۔ تاریخ انسانی میں ایک ہی مرتبہ حضرت محمد ﷺ کے ہاتھوں ایسا ہوا ہے ــــــ نہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں' نہ اسماعیل کے ہاتھوں' نہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں۔ بس ایک ہی دفعہ ہوا ہے۔ مگر جب حضور الصادق المصدوق ﷺ نے بتایا ہے کہ ایک بار پھر ہونا ہے تو بلاشبہ ایسا ہو کر رہے گا' مگر یہ کام ۲۰ برس کی جدوجہد میں ہو جائے یہ ناممکن ہے۔ البتہ کئی نسلوں کی جدوجہد سے یہ کام تدریجاً انجام پائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ تم اوپر اٹھو گے مگر درجہ بدرجہ' سیڑھی بہ سیڑھی۔ ان حقائق کو مدنظر رکھیں تو دو نتائج نکلتے ہیں۔ اول یہ کہ اب آپ اس طرح کا جامع مجدد تلاش نہ کیجئے جس میں چھ کی چھ صفات جمع ہوں۔ بلکہ پہلے بھی سارے کے سارے مجدد ایسے جامع صفات نہیں ہیں۔ خود شاہ ولی اللہؒ صاحب سیف تو نہیں تھے' صاحب قلم تھے' صاحب ذکر تھے' صاحب فکر تھے۔ علم قدیم بھی رکھتے تھے مگر جدید علم ابھی یہاں آیا ہی نہ تھا۔ اگرچہ انگریز آچکا تھا۔ شاہ صاحب کا انتقال ۱۷۶۲ء میں ہوا مگر انگریز تو ۱۷۵۷ء میں بنگال میں آچکا تھا' یعنی پانچ سال پہلے' مگر مغربی علوم برعظیم میں ابھی نہیں پہنچے تھے۔ تو گویا جدید علم شاہ صاحب کے پاس نہیں تھا۔ اس طرح اس سے قبل کے مجددین کا بھی یہی معاملہ تھا۔ ابن تیمیہؒ صاحب سیف اور صاحب قلم تھے مگر امام غزالیؒ تو ایسے نہ تھے۔ چودھویں صدی کے مجدد اعظم شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ہیں جدید تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ مغربی فلسفہ کیا ہے' مغربی عمرانیات' مغربی پولیٹیکل سائنس' مغربی اکنامکس' فزکس اور کیمسٹری کیا ہے۔ پس اب تو جزوی قسم ہی کے لوگوں کو سینے سے لگانا ہو گا۔ کسی کے پاس فکر صحیح ہے تو لے لو' کسی کے پاس علم قدیم ہے تو لے لو' کسی کے پاس جذبہ جہاد ہے تو لے لو۔ علیٰ ہذا القیاس۔ دوسرا نتیجہ یہ کہ اب ذہناً تیار رہئے کہ اب یہ کام تدریجاً ہو گا' یہاں تک کہ وہ آخری منزل آجائے گی۔

(جاری ہے)